عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ/نومبر ۲۰۰۸ء

زیر سرپرستی: مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید سعید اللہ دامت برکاتہم

بانی: ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

مجلس مشاورت: حاجی شیر حسن صاحب، مفتی آفتاب عالم، مولانا محمد امین دوست، بشیر احمد طارق، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری

مدیر مسئول: ثاقب علی خان

مجلسِ ادارت: ڈاکٹر محمد طارق، محمد الطاف حسین، حافظ عماد الحق، ظہور الٰہی فاروقی

RegNo.P476

جلد:ھفتم

شمارہ: 3

فہرست

فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/180 روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل:<<< mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

نماز (آخری قسط)

(حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ)

نماز میں لذت و سرور:

نماز میں لذت وسرور مکالمۂ حق اور 'تصور حضوری' اور 'فرائض عبودیت' کی بجا آوری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ایک حقیر و بے نوا انسان کی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ قدس وجلال میں حاضری اورعرض نیاز کیف وسرور کا جو عالم اپنے میں رکھتا ہے۔وہ 'عبدیت' کے امام سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے ظاہر ہے۔

جعلت قرة عینی فی الصلوٰة میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہے۔

(کنز العمال بحوالہ طبرانی فی معجم الکبیر صفحہ ۶۳ جلد ۴ وکنز العمال بحوالہ ابوداؤد سنن بیہقی صفحہ ۶۶ جلد ۴)

یا بلال اقم الصلوٰة ارحنا به

اے بلال نماز کو (اذان دیکر) قائم کرواوراس سے مجھے راحت پہنچاؤ۔

(کنز العمال صفحہ ۶۴ جلد ۴ مسند احمد،ابوداؤد)

تاہم لذت وسرور مقصود بالذات نہیں،عطیہ الٰہی ہے جملہ غیر اختیاری امور کی طرح اگر حاصل ہو باعث تسلی وبرکت اور محمود ہے۔اور اگر حاصل نہ ہوتو اس کے درپے نہیں ہونا چاہئے کہ ثواب وقرب میں اصلاً اسے کوئی دخل نہیں۔

ایک سالک نے لکھا:

''تقریباً پندرہ روز سے نماز میں وہ سرور اور کیف نہیں جو اس سے پیشتر تھی''۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارقام فرمایا:

''اس راہ میں ایسا ہوتا رہتا ہے،اس کی کچھ فکر نہ کیجئے۔یہ سرور ولذت ہمارے آپ کے اختیار کی چیز نہیں اور جو امور اختیاری نہیں ان کے درپے نہ ہوئیے۔ارتکابِ معصیت،صحبتِ ناجنس اور

غفلت نہ ہو۔اس کا علاج استغفار کی کثرت ہے اور بہت نافع ہے''۔

ایک طالب نے لکھا:

''تہجد میں پہلے سا مزہ، گریہ اور دعا کی کیفیت نہیں۔ایسے بحمداللہ پڑھ لیتا ہوں''۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا:

''خوشی کی بات ہے کہ آپ تہجد پڑھتے ہیں۔پہلے جو کبھی تہجد کا موقع ملتا تھا۔اس وقت دعا و گریہ جو ہوتا تھا وہ کبھی کبھی پڑھنے کی وجہ سے تھا۔اب مداومت سے پڑھنے پر جو وہ کیفیت روزانہ نہیں ہوتی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔یہ ایسی ہی (بات) ہے کہ جس کو کبھی کبھی پلاؤ کھانے کو ملتا ہے۔تو اس کو اس میں بہت مزہ ملتا ہے۔لیکن جب وہی غذا کسی کو روزانہ ملنے لگے تو وہ مزہ اس کو نہیں ملتا، مساوات ہو جاتی ہے۔پھر گریہ سے تہجد کی مداومت ہزار درجہ بہتر ہے اور شکر کے قابل ہے۔

ایک سالک کو لکھتے ہیں:

''حصولِ لذت محمود ہے مگر مقصود نہیں۔اس کے درپے نہ ہونا چاہئے۔وہ خود سے آئے گی۔۔۔۔سالک کو بڑا دھوکا ذوق وشوق ولذت کا ہوتا ہے۔سو اس کو پوری طرح سمجھ لیجئے کہ یہ چیزیں آثار محمودہ ضرور ہیں مگر مقصود نہیں۔ان کا منشا اسی قدر ہے کہ کام میں جی لگتا ہے اور آسانی ہو جاتی ہے۔مگر اس کو قرب ورضا اور حصول ثواب میں کوئی دخل نہیں۔کیونکہ یہ امور غیر اختیاریہ میں ہے اور امور غیر اختیاریہ نہ مطلوب ہیں اور نہ مقصود، دوا کا اعلیٰ مقصود صحت بخشی ہے خوش ذائقگی اور لذت نہیں۔جب انسان کے بدن میں صحت آتی ہے تو طاقت اور کھانے کی لذت خود آ جاتی ہے۔اس کے لئے الگ دوا کی حاجت نہیں۔نماز کو اپنی طرف سے پورے ظاہری وباطنی آداب اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کیجئے۔جس قدر حاصل ہو اس پر شکر کیجئے اور آئندہ کیلئے ہمت کیجئے اور دعا کیجئے''۔

ایک مسترشد کو جس نے لکھا کہ:

''گاہے گاہے (نماز وعبادت وغیرہ میں) لذت محسوس ہونے پر فرحت ہوتی ہے''۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا:

''یہ لذت وفرحت مبارک ہے جو گو بالذات مقصود نہیں لیکن محمود ہے۔ فالحمد للہ''۔

غرض نماز کو جب اس کے آداب کی رعایت سے ادا کیا جائے گا تو انشاء اللہ اس کے ثمرات عاجلہ وآجلہ مل کر رہیں گے۔ حدیث شریف ہے:

الصلوة میزان فمن اوفی استوفی

نماز ترازو ہے جس نے پورا تولا اس کیلئے پورا تولا جائے گا۔

(کنز العمال صفحہ ۶۲ جلد ۴ بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)

نماز پر ان طویل مباحث سے نماز کی اہمیت وحکمت وحقیقت واضح ہے۔ حاصل صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقت نماز سے حصہ عطا فرمائے اور وہ نماز میسر آئے جو معراج المومنین ہے اور جس کے متعلق آتا ہے۔

ان فی الصلوة شغلا　　نماز میں اور ہی مصروفیت ہوتی ہے

(کنز العمال صفحہ ۶۲ جلد ۴ بحوالہ سنن بیہقی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اعلان

قارئین سے درخواست ہے کہ قربانی کی کھالیں دینی مدارس کو دیں۔ مختلف خدمت خلق کے اداروں کو دینے کی صورت میں اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے یہ پیسے گاڑیوں کے تیل اور ملازمین کی تنخواہوں میں استعمال کر لئے تو قربانی کرنے والوں کی قربانی ادا نہیں ہوگی۔ ان اداروں کو زکوٰۃ اور قربانی کی کھالوں کے علاوہ باقی چندے دینے چاہئیں۔

بیان

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

(بیانِ جمعہ ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۸، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی)

خطبہ ماثورہ

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحاً وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ o وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَ لَا السَّیِّئَۃُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ o وَ مَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ج وَ مَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ o وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِا اللّٰہِ ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ عَلِیْمُ o (حٰمٓ السجدۃ: ۳۳ تا ۳۵)

ترجمہ: اور اُس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور (اظہارِ اطاعت کے لئے) کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی (بلکہ ہر ایک کا اثر جدا ہے اور جب یہ بات ثابت ہو گئی تو) آپ (مع اپنے متبعین کے) نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے پھر (آپ دیکھیں گے کہ) آپ میں اور جس شخص عداوت (دشمنی) تھی تو ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔ اور یہ بات اُن ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو (اخلاق کے اعتبار سے) بڑے مستقل (مزاج) ہیں اور یہ بات ان کو نصیب ہوتی ہے جو (ثواب کے اعتبار سے) بڑا صاحبِ نصیب ہے۔ اور (ایسے وقت میں) آپ کو شیطان کی طرف سے (غصہ) کا کچھ وسوسہ آنے لگے تو (فوراً) اللہ سے پناہ مانگ لیا کیجئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ (معارف القرآن)

محترم بھائیو اور دوستو! اس ہفتے میں جو ہمارے دینی حلقوں کے ساتھی رابطہ کرتے رہے اور باتیں پوچھتے رہے یا شکایات پہنچاتے رہے وہ یہ تھیں کہ باطل لوگ دین کو خراب کرنے کے لئے (media) ذرائع ابلاغ کے مختلف چینلز (channels) استعمال کر رہے ہیں۔ غیر ملکی بھی اور اپنے ملک میں حکومتِ پاکستان بھی ایسے افراد کو ٹیلی ویژن پر لا کر بلوا رہی ہے جو واضح طور پر قرآن کی واضح تعلیمات کے خلاف بول رہے ہیں اور پاکستان کے چینلز سے بول رہے ہیں۔ اتنا خراب بول رہے ہیں کہ جس کو تھوڑی سی بھی دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والا آدمی سن نہیں سکتا ہے۔ اور حیرت یہ ہے کہ گزشتہ حکومت میں دو صوبوں میں دینی حضرات کی حکومت رہی

ہے اور اُس وقت بھی سنا ہے یہ لوگ بولتے رہے لیکن ان صوبائی اسمبلیوں نے ایک قرارداد تک منظور کر کے نہیں بھیجی ۔ خیر یہ تو ایک علیحدہ بات ہے، حکومت جانے ان کا کام جانے ، اقتدار میں آنے والوں کو کئی باتوں میں سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔

میں نے جو آیت پڑھی وہ اس ساری بات کے مثبت توڑ کے لئے ہے۔ سارا میڈیا، سارے وسائل ساری فوجیں، سارا اسلحہ، سارا پیسہ اگر باطل کو پھیلانے میں لگ جائے اور باطل کو پھیلانے کے لئے کوششیں شروع کر دے اور آپ کے پاس اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہ ہو، نہ میڈیا کے چینلز ہوں، نہ آپ کے پاس پیسہ ہے نہ آپ کے پاس کچھ اور وسائل ہیں، کچھ بھی نہیں ہے، بس صرف آپ کی جان ہے، آپ کپڑے پہنے ہوئے ہیں، کھانا کھا سکتے ہیں اور کچھ بھی نہیں ہے اور وہ سارے وسائل کے ساتھ، پیسے کے ساتھ، میڈیا کے چینلز کے ساتھ، اسلحے کے ساتھ فوجوں کے ساتھ آ رہے ہیں تو آپ کیا کریں گے؟ اس کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت میں دو ہتھیار آپ کو دئے ہیں اور باقی قرآن پاک کی آیتوں کے ذریعے سے ایک تیسرا ہتھیار بھی دیا ہوا ہے۔ اس میں دو ہتھیار یہ دئے ہیں۔ **و من احسن قولاً من دعا الی اللّٰہ و عمل صالحاً و قال اننی من المسلمین** کہ اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو لوگوں کو بلائے اللہ کی طرف۔ تو پہلا ہتھیار دعوت الی اللہ ہے۔ قرآن کریم کی ایک اور آیت ہے **وجاھدھم بھی جھاداً کبیرا** اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کو لیکر آپ انکے خلاف جہادِ کبیر کریں۔ یعنی قرآن کریم کی تعلیمات اور علوم کو لیکر، اس کو نہ ماننے والے اہل کفر کے کفر کے خلاف آپ دعوت دیں، اس بات کو بیان کریں، اس بات کو لوگوں کے سامنے لائیں اور ان سے مطالبہ کریں اس چیز کو لینے کا، اس کو قبول کرنے کا، اس پر چلنے کا، یہ دعوت الی اللہ ہے۔ یہ آیت مکّی ہے۔ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ ہجرت سے پہلے جو آیت نازل ہوئی ہو اس کو مکّی کہتے ہیں خواہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہوں یا مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہوں۔ آپ حج کے سفر پر آئے ہیں، عمرے کے سفر پر آئے ہیں، اور فتح مکہ کے سفر پر آئے ہیں۔ تین دفعہ آپ نے سفر کیا ہوا ہے مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کے بعد۔ اس وقت جو آیتیں نازل ہوئیں، اگر چہ مکہ میں ہوئیں لیکن ان کو مدنی کہتے ہیں۔ کیونکہ نزول کی ترتیب مضامین کی ہے اور یہ ترتیب ہجرت سے پہلے اور بعد کی ہے۔ یہ آیت ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے لہٰذا مکی ہے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ تھا کہ جس وقت آیت نازل ہوتی تھی، آپ کی

خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اس کا صحیح ترجمہ اور تفسیر پوچھ لیتے تھے اور اسی وقت سے، جوں ہی قدم اٹھاتے تھے، اس پر عمل شروع کر دیتے تھے۔ اب یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے، اس میں جہاد کبیر کا حکم ہوا ہے پر وہاں کوئی لڑنا نہیں ہوا ہے۔ یعنی اس آیت کا مطلب لڑنا تھا ہی نہیں۔ اس کا مطلب جہاد کا وہ شعبہ ہے جس کو قرآن پاک نے جہاد کبیر کہا ہے اور یہ شعبہ دعوت الی اللہ ہے۔ ہر مسلمان اللہ کے دین کی دعوت دے اور اس کو بیان کرنا شروع کرے۔ مساجد میں اجتماعی ماحول میں، اکیلے میں انفرادی ماحول میں، ایک ایک آدمی کو بٹھا کر، ایک ایک آدمی کو لیکر اس کے ساتھ بات کریں، اس کو سمجھائیں۔ اگر آپ نے دعوت الی اللہ کا ہتھیار اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے تو سارے میڈیا کو آپ فیل کر دیں گے۔ ان کے سارے وسائل اور ترقیوں کو آپ سرنگوں کر دیں گے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ آپ سے کیا گلہ، میں مولوی آدمی اور دوسرے اہل علم بھی کسی سے ملتے ہیں تو ہم بھی دنیا کی باتیں اور فضولیات ہی بول رہے ہوتے ہیں، یہ کوشش نہیں کرتے کہ اس تھوڑے سے وقت کو، جس میں یہ آدمی ملنے کے لئے آیا ہے، دعوت کے لئے استعمال کر لیں۔

تو پہلا توڑ جو قرآن مجید نے بتایا وہ جہاد کبیر بتایا اور جہاد کبیر دعوت الی اللہ ہے۔ دین کی بات کو بیان کریں۔ ان کو درسوں کی شکل میں بیان کریں، ان کو بیانوں کی شکل میں بیان کریں، لوگوں کے پاس پھر کے ان کو جمع کر کے لائیں، ان کے لئے ماحول بنائیں، اس بات کو بولیں، اس بات کو سنائیں، اس بات کو لکھیں، اس بات کو شائع کریں، اس بات کو پہنچائیں لوگوں تک، اشاعت کے سارے مسنون طریقوں کو اختیار کریں۔ آیا وہ لکھ لکھا کر ہے، بول سنا کر ہے، پڑھ پڑھا کر ہے، یہ تین ترتیبیں ہیں۔ لکھ لکھا کر یعنی تصنیف و تالیف، بول سنا کر یعنی دعوت و تبلیغ اور پڑھ پڑھا کر یعنی درس و تدریس۔ یہ تین ادارے یعنی تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس ہمارے پاس ہیں۔ ان کو بھرپور طریقے سے استعمال کریں اور کسی آدمی کو آپ ایسے نہ چھوڑیں جس تک دعوت کو پہنچا نہ سکیں۔ تو یہ ایک ہتھیار آپ کو دیا گیا، اس کو استعمال کریں۔

دوسرا ہے وَعَمِلَ صَالِحًا، اس چیز کو لیکر چلنے والوں کا عمل نیک ہو۔ زبانی تقریر تھوڑا اثر کیا کرتی ہے، عمل زیادہ اثر کیا کرتا ہے۔ آپ کا عمل نیک ہو۔ صحابہ کرامؓ عملی شخصیات تھے۔ شمالی افریقہ میں مصر، سوڈان، الجزائر، تیونس، مراکش، لیبیا، ان میں کوئی بھی عرب ملک نہیں ہے، غیر عرب ہیں۔ ان کو بربر کہتے ہیں۔ ان میں صحابہ کرامؓ گئے ہیں۔ ان کی زبانیں بھی نہیں جانتے تھے۔ شخصیات عملی تھیں۔ ان کے عمل کو دیکھ کر

انسان کا دل گواہی دیتا تھا کہ انسان یہی ہیں۔ تو جب انسان کسی دوسرے انسان کو معیاری پاتا ہے تو اس کی طرف اس کو کشش ہوتی ہے۔ تو انھوں نے اپنے عمل سے عالم انسانیت کو متاثر کیا۔ پورے شمالی افریقہ کے چھ ممالک جو میں نے آپ کو گن کر بتائے یہ عربی بولنے والے ممالک ہیں اور ان کے ساتھ بھی چھوٹے چھوٹے ممالک ہیں عربی بولنے والے، ان کی زبان تک صحابہ کرامؓ نے بدلی ہے۔ تو دوسری بات یہ ہے کہ دعوت دینے والا آدمی خود اس کا عملی نمونہ ہو۔ یوں نہیں کہ ایک آدمی بس میں کھڑا ہو اور بڑے زور و شور سے کہے کہ میرے پاس نزلے کی ایسی دوائی ہے کہ جس کی ایک خوراک کھاؤ چھینکیں بند، ناک سے پانی نہیں نکلے گا اور میری دوائی اگر خراب تو میری گردن میں رسی ڈال کر کھینچو، یہ دس دس روپے کی ایک پڑی ہے۔ اور یہ اعلان ختم کرنے کے بعد دو چار چھینکیں مارے اور ناک سے پانی ٹپک کر زمین پر گر رہا ہو تو آپ کہیں گے کہ سب جھوٹ بولا تو نے۔ اگر تیری دوائی تاثیر والی ہوتی تو تیرا اپنا نزلہ ٹھیک ہوتا۔ تیرا اپنا نزلہ ٹھیک نہں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تیرا اپنا بول اور قول جو ہے وہ قول اور قوالی ہے۔ وہ عمل نہیں ہے۔ قوال آواز کا خوب اُتار چڑھاؤ کر کے لوگوں کو اچھال دیتا ہے۔ لوگ رو رہے ہوتے ہیں اور وہ ان پر ہنس رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے نہ اس کا معنی تک نہیں آتا۔ تو جو لوگ دعوت دینے والے ہوں وہ اس بات کا عملی نمونہ ہوں۔ اگر آپ اپنے دعوت کا عملی نمونہ ہیں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آپ سے آدمی متاثر نہ ہو۔

اور یہ سب کچھ حاصل کرنے کے بعد اس کو ایسی عاجزی حاصل ہو کہ کہے میں تو ایک عام مسلمان آدمی ہوں۔ ہم تھوڑے سے اہل علم ہو جاتے ہیں، تھوڑی سی اچھی تقریر کر لیتے ہیں تو ہم بھی پھر اپنی دم کو ہاتھ لگانے نہیں دیتے۔ جسے پشتو میں کہتے ہیں کہ "لکے تہ لاس لگولو تہ نہ پریگدی"۔ (دُم کو ہاتھ نہیں لگانے دیتا ہے) ہمارے ایک ساتھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ "منگ عالمان یو، دوئی عامیان دی، مژہ پریگدہ عامیان"۔ (ہم عالم ہیں، یہ عامی ہیں، رہنے بھی دو ان عامیوں کو) تو میں کہا کرتا ہوں کہ "دغہ عامیان منگ نہ زیات خہ دی"۔ (یہ عامی لوگ ہی ہم سے زیادہ اچھے ہیں) اگر ہمارے دل میں ہے کہ ہم برتر ہیں، ہم اہل علم ہیں، ہمیں فوقیت حاصل ہے اور یہ جو عامی ہیں یہ گھٹیا ہیں ہمارے مقابلے میں تو یہ تو ہم گھٹیا ہو گئے، وہ بڑھیا ہو گئے۔ ہم پڑھ پڑھا کر گھٹیا ہو گئے۔ جس کے پاس تواضع نہیں ہوتی اس آدمی کی بات کبھی نہیں پھیلا کرتی۔ متکبر آدمی کی بات کبھی نہیں پھیلا کرتی۔ اس لئے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو قرآن پاک نے خطاب کیا ہے

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

(ال عمران:۱۵۹)

ترجمہ: خدا ہی کی رحمت کے سبب (جو کہ آپؐ پر ہے) آپؐ اُن کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپؐ (خدانخواستہ) تُند خوسخت مزاج ہوتے تو یہ (بیچارے) آپؐ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ (معارف القرآن)

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ کتنی زبردست اللہ کی رحمت ہے آپ پر کہ آپ ان کے لئے نرم ہیں۔ اگر آپ تنگ دل اور سخت مزاج ہوتے تو یہ آپ کے گرد کبھی جمع نہ ہوتے۔ متکبر اور بدخو آدمی کے قریب کوئی نہیں آتا ہے۔ لوگ اس سے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے جن لوگوں نے اپنی بات کو پھیلانا ہوتا ہے ان کے لئے اس بات کی اشد ضرورت ہوتی ہے کہ وہ تواضع والے ہوں۔

آگے مزید اگلا ہتھیار قرآن پاک دے رہا ہے۔ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ اور نیکی اور برائی برابر نہیں ہیں۔ تُو برائی کا جواب نیکی سے دے۔ پھر جو تیرا جانی دشمن ہوگا وہ تیرا جگری دوست ہو جائے گا۔ وہ منفی چل رہا ہے تو مثبت چل، وہ برا کہہ رہا ہے تجھ کو، تو اچھا کہہ، وہ برائی کر رہا ہے تو اس کے ساتھ نیکی کر، اکثریت ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی برائی کو اور اپنے منفی رویّے کو اس ترتیب کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ برائی پھیلتی ایسے ہے کہ اگلا ایک برائی کرتا ہے میرے ساتھ، میں بڑھ کر دو کرتا ہوں۔ اگر اس نے دو کی ہیں میں تین کرتا ہوں۔ تو یہ ایک ایسا دائرہ کار (vicious cycle) شروع ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد برائی بڑھتی ہی رہتی ہے۔ اس برائی کا خاتمہ ایسے ہوگا کہ برائی کا جواب نیکی سے دیا جائے۔ تو یہ دوسرا ہتھیار آپ کے پاس ہو گیا۔ وَ مَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ مَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ دیکھو یہ بات تو بڑے صبر والے لوگوں کو ملتی ہے بڑے خوش بخت، نصیب آور لوگوں کو ملتی ہے کہ وہ برائی کا جواب نیکی سے دے رہے ہوں۔

وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ دیکھو شیطان اگر یہ کرنے نہ دے کیونکہ وہ کوشش کرے گا کہ یہ مثبت بات پر نہ آئے منفی بات چلائے تاکہ اس سے برائی کو ترقی ہو۔ یہ شیطان کا طریقہ کار ہے۔ فاستعذ باللہ تو اللہ کی پناہ مانگ۔ اس وقت فوراً جان لے کہ یہ بات مجھ سے شیطان کرانا چاہتا ہے اور میں شیطان کے کہنے پر کبھی استعمال نہیں ہوں گا کہ میں برائی کا جواب برائی سے دوں۔ تو اس آیت نے یہ ہتھیار

دیئے۔ دعوت الی اللہ، عمل صالح خود کرنا، داعی میں تواضع کا ہونا اور داعی کے ساتھ کوئی برائی سے پیش آئے اس کا بدلہ اچھائی سے دے۔ وہ لوگوں کے دلوں میں گھر کر جائے گا اس کی بات پھیلے گی۔

تو میرے بھائی! غامدی ٹیلی ویژن پر ٹرّاتا رہے۔ فضول باتوں کو اردو میں ٹرّانا کہتے ہیں۔ جیسے پشتو میں آپ کہتے ہیں "غاپی دے" (یعنی بھونکتا رہے)۔ تو وہ ٹراتا رہے، پھیلا تو ہمیشہ حق کرتا ہے، بشرطیکہ حق کو حق طریقے سے پیش کیا جائے۔ وہ دوسرا کہ جس کی آپ لوگ شکایت کر رہے تھے کون تھا۔ عامر لیاقت۔ اس نے ایسا کیا ویسا کیا۔ سارا ہفتہ ساتھی میرے کان کھاتے رہے۔ "نو صاحبا! چہ هغه غاپی نو غاپی دے کنه. ته سه کے ورسره. چې سپے غاپی نو ته به هم غاپے. دا ده عقل خبره ده؟" (جناب عالی! اگر وہ بھونکتا ہے تو بھونکنے دو، آپ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ اگر کتا بھونکے تو آپ بھی اس کے ساتھ بھونکیں گے۔ کیا یہ کوئی عقل کی بات ہے؟) آپ راستے پر گزر رہے ہوں اور کتا آپ پر بھونکے تو آپ بھونکیں گے؟ آپ بتائیں۔ یہ عقل کی بات نہیں ہے نا! آپ خاموشی سے گزریں گے وہاں سے۔ کیونکہ اس کی سطح اور آپ کی سطح میں بہت فرق ہے۔ "که سپے درباندے چک لګئی نو ته به پے چک لګے؟" اگر کتا کاٹنے کے لئے آگے بڑھے اور آپ پر چک لگائے تو کیا آپ بھی اس کو چک لگائیں گے؟ دفعہ کریں اس کو۔ امریکہ کا فنڈ کھا کر، باطل فنڈ کھا کر بھونک رہے ہیں تو بھونکنے دیں۔ ہمیشہ کے لئے دین کو دو جگہ سے حاصل کرنا۔ ایک تو دین کو اُن اہل علم کی کتابوں سے حاصل کرنا جو اللہ کے تعلق والے گزرے ہیں۔ ہمیشہ اپنے آپ کو دین سیکھنے کے لئے لائبریری کا عادی بنانا۔ یہ بات میں آپ کو واضح بتا دوں۔ اللہ کے مقبول بندوں کی کتابیں آپ کو صحیح دین دیں گی۔ یہ کتابُ اللہ ہو گیا، کتاب کا واسطہ۔ اور دوسرا ہے رجالُ اللہ کا واسطہ۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ کا تعلق اور صحیح عمل حاصل ہے یعنی اللہ والے لوگ۔ اللہ والوں کی کتابیں، کتابُ اللہ اور اللہ کے تعلق والے بندے، رجالُ اللہ۔ اللہ کے نیک بندوں سے آپ کو دین ملے گا۔ ان حکومتی اداروں نے تو حکومت کی کارکردگیوں کو سراہنا ہوتا ہے، ان کو آگے بڑھانا ہوتا ہے اور ان کے مقصد کے لئے کام کرنا ہوتا ہے۔

جس وقت قائداعظم محمد علی جناح کی وفات ہو گئی، لیاقت علی خان کو قتل کر دیا گیا اور بیوروکریسی کفر کے ایجنٹ کے طور پر کام کر رہی تھی انھوں نے آ کر اقتدار پر قبضہ کیا، غلام محمد گورنر جنرل ہو گیا اور باقی سارے گھسے پٹے خوار سیکریٹری، ڈپٹی سیکریٹری اور سیکشن افسر قسم کے لوگ پوسٹوں پر آ بیٹھے اور آگے انھوں نے حالات سازگار کر کے ٹیپو سلطان کے غدار میر صادق کے پوتے سکندر مرزا کو صدر بنا دیا۔ لیکن اس وقت علماء جاندار تھے، وہ سیاست حکومت بنانے،

پوسٹ (عہدہ) لینے، جوڑتوڑ کرنے، کے لئے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ خاص دینی کام یعنی اعلائے کلمۃُ اللہ کا کام کیا کرتے تھے۔ انھوں نے شریعت کا شدید مطالبہ کیا اور گورنر جنرل غلام محمد کو اندازہ ہوا کہ اس مطالبے سے جان نہیں چھڑائی جاسکتی۔ اس نے باقاعدہ غلام احمد پرویز کو فنانس ڈپارٹمنٹ کے سیکشن افسر سے ریٹائر کر کے اور بہت سارا فنڈ دے کر اس بات کے لئے بٹھایا کہ وہ دین کی ایسی تعبیر کرے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ اور صحابہ کرامؓ کی تشریح کردہ اور ائمہ مجتہدین کی پیش کردہ نہ ہو، بلکہ وہ بالکل قرآن کی شکل میں کمیونزم (communism) سیکولرازم (secularism) اور کیپیٹل ازم (capitalism) کی ٹرو کاپی (true copy) بن جائے۔ وہ لادینیت، اباحیت اور سرمایہ دارانہ نظام کی نمائندہ بن کر سامنے آجائے۔ اس آدمی کا فنڈ کھا کھا کر، کتابیں لکھ لکھ کر، رسالے شائع کر کر کے کلیجہ پھٹ گیا۔ لیکن اپنی بات کو پھیلا کر نہ دے سکا۔ اپنے آپ کو لائبریری میں جا کر اہل اللہ کی کتابوں کا عادی بنائیں اور اللہ والوں کی تحریکوں میں جا کر دین کو سیکھنے کا عادی بنائیں، مساجد میں بیٹھنے کا اپنے آپ کو عادی بنائیں، ذکر کا اپنے آپ کو عادی بنائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا تعلق پیدا ہو، آپ محفوظ ہوں، آپ کی پریشانیاں دور ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر میں سو (۱۰۰) فائدے رکھے ہیں ۔حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے فضائل ذکر میں لکھے ہیں وہاں سے دیکھیں۔ اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ ۱۰۰ بیماریوں کا علاج ہے جن میں سے کم سے کم غم وفکر یعنی تفکرات ہیں۔ میرے پاس لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "سخت ٹینشن دے راباندے۔ خوب نہ رازی راتہ۔" (مجھ پر سخت ٹینشن ہے۔ نیند نہیں آتی رات کو۔) تو صاحبو! سارا دن غلط دیکھ دیکھ کر، سارا دن غلط سن سن کر، غلط چیزوں میں استعمال ہو ہو کر، غلط ماحولوں میں پھر پھر کر تو نے ٹینشن اپنے لئے خود کمایا ہوا ہے، سخت ہیجان اندر پیدا کیا ہوا ہے اور اس کے نتیجے میں تو یہ توقع رکھتا ہے کہ رات کو تجھے نیند آجائے گی اور اس نیند سے تو سکون حاصل کرے گا اور پھر صبح کو تو پڑھ سکے گا، امتحان پاس کرے گا، کوئی کام کی شخصیت بنے گا۔ یہ کبھی نہیں ہوسکے گا۔ گندم بوؤ گے گندم کاٹو گے، جو بوؤ گے جو کاٹو گے، پھول بوؤ گے پھول کاٹو گے، کانٹے بوؤ گے کانٹے کاٹو گے۔

؎ از مکافاتِ عمل غافل مشو

گندم از گندم بروید جو زِ جو

ترجمہ: اعمال کے نتائج سے بے خبر نہ ہو جاؤ۔ گندم سے گندم پیدا ہوتی ہے، جو سے جو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نو مسلموں کے مسائل اور ان کے حل کیلئے چند تجاویز

(عبدالباسط صاحب)

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو ایسا خوبصورت اور پُر کشش دین بنایا ہے کہ سلیم الفطرت لوگ قدرتی طور پر اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے دور میں بھی پوری دنیا میں سب سے تیزی سے پھیلنے والا مذہب اسلام ہی ہے۔ اور یہ اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل بھی ہے کہ ایک طرف تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالمی سطح پر بے پناہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے، دوسری جانب مسلمانوں کا اپنا عمل بھی کچھ اتنا قابلِ رشک اور متاثر کُن نہیں کہ ان کے عمل و کردار کو دیکھ کر کوئی غیر مسلم اسلام میں داخل ہو جائے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود بھی یہ حقیقت ہے کہ اسلام اپنے اندر ایسی کشش رکھتا ہے کہ جو غیر مسلم بھی بغیر تعصب کے اس کا مطالعہ کرتا ہے وہ بالآخر اس کی آغوش میں آنے کی تمنا کرتا ہے۔

اسلام قبول کرنے کا رجحان امریکہ، یورپ اور دیگر مغربی ممالک میں زیادہ ہے مگر اسلامی ممالک کی مذہبی اقلیت بھی اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیتی ہے۔ ہمارے اپنے ملک میں بھی بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا ہے اور بحمداللہ یہ سلسلہ جاری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں اسلام قبول کرنے والے نو مسلم بھائیوں اور بہنوں کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ راقم کے نزدیک اگر مسلمان ایک منظّم طریقہ سے اپنے نو مسلم بھائیوں کی مدد کر سکیں تو انشاءاللہ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو سکتا ہے۔

اسلام قبول کرنے والے ایک شخص کو جس طرح کے مسائل درپیش ہوتے ہیں وہ اجمالاً مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اپنے سابقہ اور آبائی مذہب کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرنا ہرگز آسان فیصلہ نہیں ہوتا۔ یہ بات عام مشاہدہ اور تجربہ میں آئی ہے کہ اپنا دین و مذہب تبدیل کرنے کے عوض ایک شخص کو بعض اوقات مال و اسباب اور اپنے عزیز ترین رشتہ دار ماں، باپ، بہن بھائی تک کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ یہ قربانی کہنے میں تو آسان محسوس ہوتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ والدین اور بہن بھائیوں کی جدائی کی قربانی ہرگز ہرگز آسان نہیں ہوا کرتی۔ اس طرح کی عظیم قربانی دے کر مسلمان ہونے والے لوگ بلاشبہ اس بات کے مستحق ہیں کہ مسلمان ان کو اپنے سینے سے لگائیں۔

اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں یورپ و امریکہ کے برعکس ایک نوجوان اس

وقت تک مالی طور پر والدین کا محتاج رہتا ہے جب تک وہ خود کمانے کے قابل نہیں ہو جاتا۔ لہٰذا اگر کوئی نوجوان شخص اسلام قبول کرنا چاہے تو اس کو والدین، عزیز رشتہ داروں کی جدائی کے ساتھ بہت سی مالی پریشانیوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ ایک دوسرا مسئلہ نومسلموں کے حوالے سے جو سامنے آتا رہتا ہے وہ ان کے جان و مال کا تحفظ ہے۔ یہ بات بھی مشاہدہ میں آتی ہے کہ ہمارے معاشرہ میں جو شخص اسلام قبول کرتا ہے تو اس کے گھر والے اور رشتہ دار اُس کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں اور اس کو مارنے اور قتل کرنے کی بھی دھمکیاں ملنے لگتی ہیں جن کا سامنا کرنا حقیقتاً بڑا امتحان ہے۔

۳۔ ایک مسئلہ نومسلموں کی اسلامی تعلیم و تربیت کا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو حکمت اور بصیرت کے ساتھ اُس کی تعلیم و تربیت کا بھی انتظام کیا جائے تا کہ وہ راسخ العقیدہ مسلمان بنے اور تقوی اور اعلیٰ اخلاقی صفات سے مزین ہو کر دین کا ایک اچھا داعی بنے تا کہ وہ اپنی سابقہ برادری اور رشتہ داروں میں بھی دین کی اشاعت کا کام کر سکے۔

۴۔ اس حوالہ سے ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ جو خواتین اسلام قبول کرنا چاہیں تو ان کے لئے ایسا کرنا مردوں اور نوجوانوں کی نسبت ہزار گنا مشکل ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں خواتین شادی سے پہلے اور بعد، باپ، بھائی یا شوہر کے زیرِ کفالت ہوتی ہیں۔ ان کیلئے ایسا فیصلہ کرنا جو ان کے گھر والوں کی مرضی کے خلاف ہو تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آجکل کے دور میں بھی، غیر مسلم خواتین اسلام سے متاثر ہوتی ہیں اور وہ اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنا چاہتی ہیں۔ ایک جائزہ کے مطابق مغرب میں اسلام قبول کرنے والوں کی اکثریت عورتوں کی ہے۔

نومسلموں اور خصوصاً خواتین نومسلموں کے مسائل کو ذہن میں رکھتے ہوئے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ مسلمان ایسے منظّم ادارے قائم کریں جو ان نومسلموں کو تحفظ فراہم کر سکیں اور ان نومسلموں کو جس طرح کی بھی مدد درکار ہو اُس کا بندوبست کر سکیں۔ بعض اوقات نومسلم بھائی بہنوں کو قانونی تحفظ فراہم کرنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ ان کے سابقہ رشتہ داران کے خلاف جھوٹے مقدمات درج کروا دیتے ہیں۔ اس طرح نومسلم خواتین کو آباد کرنے کے لئے ان کے نکاح کا بندوبست کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تا کہ وہ اپنی آئندہ زندگی محفوظ طریقہ سے عزت و عصمت کے ساتھ گزار سکیں۔

راقم کے خیال میں اس حوالہ سے ہمارے اکابرین علماء ومشائخ کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ نیز جو بڑے مدارس، ادارے یا ٹرسٹ پہلے سے دین کی خدمت کر رہے ہیں اُن کو اس حوالہ سے بھی کام کرنے کی ضرورت ہے اور اگر پہلے سے اس حوالہ سے کچھ کام ہو رہا ہے تو اُس کو مزین منظّم بنانے کی ضرورت ہے اور ان اداروں کی تشہیر کی بھی ضرورت ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ ضرورت مند نومسلم ان سے رجوع کر سکیں۔

(بفضلہٖ تعالیٰ ہمارا ادارہ ایسے مواقع پر حتی الوسع یہ کام کر رہا ہے۔ قارئین دعا فرمائیں کہ اللہ ہمارے لئے آسان فرمائے۔ آمین!)

☆☆☆☆☆☆☆

(صفحہ ۲۴ سے آگے)

آخری سانس تک محنت اور کوشش میں لگے رہنا چاہیے:

فرمایا کہ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کسی بھی مقام اور حالت کے پکے ہو جانے کے بعد بے فکر نہیں ہو جانا چاہیے بلکہ اس حالت کی حفاظت کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ بعض حضرات کے ساتھ ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کوئی اچھی حالت حاصل ہوگئی تو بے فکر ہو گئے اور نفس وشیطان نے اپنا داؤ چلا لیا اور آدمی کو پھر مزے اور چسکے والی زندگی کی طرف کھینچ لیا۔ اس طرح رُوحانی تنزل شروع ہو جاتا ہے جس کو اصطلاح میں ''رجعت'' کہتے ہیں۔

رجعت والے آدمی کی حالت بہت خطرے میں ہوتی ہے، اگر وہ اپنی فکر نہ کرے اور مزوں اور معصیت میں بڑھتا چلا جائے تو نیک مجالس میں جانے سے گھبرانے لگتا ہے کہ یہ لوگ مجھ سے پھر وہی پابندی والی زندگی شروع کروا دیں گے۔ رجعت سے بھی آگے گمراہی کا ایک قدم ہے جس کو ''وحشت'' کہتے ہیں اور اگر یوں ہی آدمی چلتا رہے تو دِین والے لوگوں سے دل میں بغض پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بُرے لگنے لگتے ہیں، یہ حالت بہت خطرناک ہے اس کو ''عداوت'' کہتے ہیں ایسے آدمی کے سوءِ خاتمہ (کفر پر موت) کا خدشہ ہوتا ہے، اس لیے آخری سانس تک محنت اور کوشش میں لگے رہنا چاہیے جیسا کہ کسی عارف کا قول ہے:

اندراین رہ می تراش ومی خراش

تا دمِ آخر دمِ فارغ مباش

ترجمہ: اس راہ میں تراش خراش کرتے رہو۔ آخری سانس تک ایک پل کے لیے بھی غافل مت ہو۔

(جاری ہے)

صبح صادق اور صبح کاذب کے بارے میں ایک علمی اور تحقیقی جائزہ معروف بہ ''کشف الستر عن اوقاتِ العشاء و الفجر'' (قسط۔۷)

(مفتی شوکت صاحب)

کیا فلکی فلق میں یہ دوسری علامت پائی جاتی ہے؟

آیئے اب صبح صادق کی یہ دوسری علامت دیکھتے ہیں کہ '' فلکی فلق'' پر یہ علامت کہاں تک منطبق ہے۔ چونکہ اس دوسری نشانی میں صبح کاذب بھی شامل ہے لہٰذا فلکی فلق کو مذکورہ بالا علامت پر منطبق کرنے کیلئے ضروری ہے کہ قائلین ۱۸ درجے والوں کی صبح کاذب کی بھی نشاندہی کی جائے۔ جاننا چاہیے کہ ان حضرات کے نزدیک صبح کاذب وہ روشنی ہے جو رات کے ابتدائی یا درمیانی اوقات میں مشرق کی طرف نمودار ہوتی ہے جسکو اصطلاح میں بروجی روشنی (زوڈیکل ٹوائیلائٹ) کہا جاتا ہے۔

(۱) جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب ''مراسلہ جاوید قمر'' کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

''اس روشنی کے ختم ہونے اور فلکی فلق کے طلوع ہونے تک کے درمیان خاصا وقفہ ہوتا ہے۔ اس طرح فلکی فلق کے طلوع سے فوراً پہلے یعنی سورج کے 18 درجات زیر افق کی حد تک پہنچنے سے قبل افق پر کوئی روشنی نہیں ہوتی''۔ (صبح صادق و صبح کاذب ص نمبر ۳۱)

(۲) مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب رسالہ ''درء القبح عن درک وقت الصبح'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''بلکہ 18 درجہ انحطاط پر صبح صادق ہوجاتی ہے۔ اور اس سے بہت درجے پہلے صبح کاذب فقیر نے بچشم خود مشاہدہ کیا کہ محاسبات علم ہیئت سے آفتاب ہنوز ۳۳ درجے افق سے نیچے تھا۔۔۔ آگے تحریر فرماتے ہیں۔۔۔ کہ اس میں اور صبح صادق میں ۱۵ درجے سے بھی زائد فاصلہ ہے''۔ (درء القبح عن درک وقت الصبح ص ۸)

حضرت بریلوی صاحب کے بیان سے تو معلوم ہوا کہ 18 درجے صبح صادق ماننے والوں کے نزدیک صبح کاذب (بروجی روشنی) صبح صادق سے 15 درجے (جبکہ کل 15+18=33 درجے) پہلے طلوع

ہوتی ہے۔

تیسرا حوالہ :

(3) Before the beginning of astronomical twilight in the morning and after the end of astronomical twilight in the evening the sun does not contribute to sky illuminaton.

چوتھا حوالہ:

(4) Astronomical Twilight: The time at which the sun is 18 degrees below the horizon. It is that point in time at which the sun start lightening the sky. Prior to this time during the morning, the sky is completely dark. During the evening, this is the point where the sky completely turns dark. FROM: NOAA's National Weather Service Weather Forecast (Office)

پانچواں حوالہ:

(5) Astronomical dawn is the time at which the sun is 18 degrees below the horizon in the morning & starts lightening the sky. Prior to this time, the sky is completely dark. (http://en.wikipedia.org/wiki/Dawn#note-NOAA AstroTerms)

چھٹا حوالہ:

(6) Dr.Shaukat Khalid has sent me by E-mail as under :

Question 1: Is there someother light before the

Astronomical twilight or there is totally darkness?

Answer: It is agreed by all astronomers that generally, the sky is totally dark at or before astronomical twilight. But this is not true at high laitudes.

حاصل ان تمام حوالجات کا تقریباً ایک ہے، کہ 18 درجے پر ظاہر ہونے والی روشنی ''فلکی فلق'' (Astronomical twilight) کے ظہور سے پہلے کسی قسم کی روشنی شرقی افق پر نہیں ہوتی۔ بلکہ اس وقت تمام آسمان پر مکمل اندھیرا ہوتا ہے۔ خط کشیدہ عبارات سب کا یہی مفہوم ہے کہ اس سے پہلے تمام آسمان میں مکمل اندھیرا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب اور مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے حوالجات سے تو تصریحاً ثابت ہو گیا کہ ان دونوں روشنیوں کے درمیان اچھا خاصا وقفہ ہوتا ہے۔ اب جبکہ صبح صادق کی علامت نمبر۲ میں شرعی طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ صبح کاذب کی روشنی صبح صادق کے ظہور تک موجود رہے گی ہاں اتنا ہے کہ اس کی روشنی صبح صادق کے ظہور سے تھوڑی دیر پہلے معمولی وقفے کیلئے غائب ہو جاتی ہے۔ ہمارے تجربے کے مطابق یہ وقفہ ایک منٹ سے بھی زیادہ نہیں ہوتا، اس کے بعد صبح صادق طلوع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بروجی روشنی اور فلکی فلق کی یہ علامت بھی صبح صادق اور صبح کاذب پر صادق نہیں آئی۔

قارئین خود فیصلہ فرمائیں کہ جس روشنی سے صبح کاذب کی روشنی اتنی دور یعنی رات کے بالکل ابتدائی یا درمیانی حصے میں ظاہر ہو رہی ہو تو اس روشنیوں کو عبارات مذکورہ میں ذکر شدہ ''دوسری علامت'' پر کہاں تک منطبق کیا جا سکتا ہے۔۔۔؟ ہم بروجی روشنی کو صبح کاذب اور فلکی فلق کو صبح صادق کیسے قرار دے جبکہ ان دونوں پر صبح کاذب اور صبح صادق کی تعریف (اتصال فجرین) صادق ہی نہیں آتی۔۔۔؟

تیسری علامت ''جلد پھیلنے والی'' (یعنی انتشار سریع)

مفسرین کرامؒ اور فقہائے عظامؒ نے صبح صادق کی تیسری علامت یہ بتلائی ہے کہ صبح صادق کی روشنی ظاہر ہونے کے بعد نہایت تیزی کیساتھ بڑھتی رہے گی۔ ہم چند عبارات جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب ہی کی کتاب کے حوالے سے نقل کر رہے ہیں:

(۱)تفسیر خازن میں مذکور ہے:

الفجر الصادق المستطیر المنتشرفی الافق سریعاً

ترجمہ: وہ فجر صادق جو افق میں بسرعت اڑتی پھیلتی ہوتی ہے۔

(تفسیر خازن ج۱،ص ۱۳۸،مطبوعہ مصر بحوالہ صبح صادق وصبح کاذب ص ۸۷)

(۲) **فیطلع بعدہ الفجر الصادق مستطیراً ینتشر سریعاً فی الافق**

ترجمہ: اس کے بعد فجر صادق بسرعت پھیلی ہوئی افق پر طلوع ہوتی ہے۔

(حاشیہ معالم التنزیل، ج۱،ص ۱۳۸،تفسیر خازن، مطبوعہ مصر، بحوالہ صبح صادق وصبح کاذب ص ۸۸)

(۳)علامہ بغوی کی تفسیر معالم التنزیل میں صبح صادق کے بارے میں تحریر ہے:

"ینتشر سریعافی الافق"

ترجمہ میں لکھتے ہیں: "چوڑائی میں پھیلی ہوئی فجر صادق طلوع ہوتی ہے اور سرعت سے افق پر پھیلتی ہے"۔

مذکورہ بالا عبارات میں "یَنۡتَشِرُ سَرِیۡعاً" سے فجر صادق کی روشنی کا ظاہر ہونے کے بعد نہایت جلدی اور تیزی کیساتھ افق پر پھیلنا بالکل واضح ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس صبح کو 'صادق' کہا جاتا ہے۔

کیا فلکی فلق میں انتشار سریع کی علامت پائی جاتی ہے؟

۱۸ درجے پر ظاہر ہونے والی روشنی "فلکی فلق" کو صبح صادق قرار دینے والے حضرات خود بھی اسی فلکی فلق میں دو حصے تسلیم کرتے ہیں۔ ایک اس کا ظہور دوسرا اس کے بعد انتشار۔ اب اگر غور کر کے سوچا جائے تو اگر چہ ظہور کے بغیر یا ظہور سے پہلے انتشار کا وجود نا ممکن ہے، مگر روایات بالا کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ظاہر ہونے کے فوراً بعد روشنی کا انتشار وجود میں آجائے۔

اب اگر اس تعریف کے علاوہ کوئی یہ کہے کہ صبح صادق پہلے ظاہر ہوگی پھر وقت کی ایک معینہ مقدار کے بعد اس میں پھیلاؤ و انتشار کا عمل شروع ہوگا، تو ناچیز کے خیال میں اس کو انتشار سریع نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا جو روشنی اس تعریف پر پوری اترتی ہے، اس کو مذکورہ بالا روایات کی بنیاد پر عدم انتشار سریع کی وجہ سے صبح صادق نہیں قرار دی جا سکتی۔ ذیل میں ہم جناب سید شبیر احمد کاکا خیل صاحب کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں ،جس کو غور سے پڑھنے کی ضرورت ہے:

”جس وقت فجر صادق کا پہلا لمحہ ظہور میں آتا ہے اس وقت ایک وسیع نصف دائرے کی قوس مشرق کی طرف شمالاً جنوباً نمودار ہوتی ہے جس کا مشاہدہ صرف وہی آنکھیں کرسکتی ہیں جو ایسے مشاہدات سے مانوس ہوں ورنہ عام آنکھیں اس سے محروم ہوتی ہیں۔خود راقم کو بھی یہ نعمت تقریباً تقریباً کئی دن مشاہدات کے بعد حاصل ہوئی۔اس قوس کے اندر روشنی بہت کم ہوتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا ہے حتیٰ کہ یہ روشنی اتنی زیادہ ہوجاتی ہے کہ اس کے کناروں سے روشنی پھیلنے لگتی ہے یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب سورج افق سے پندرہ درجہ نیچے پہنچ چکا ہوتا ہے“۔

(فہم الفلکیات ص ۱۲۳)

آپ اگر جناب سید صاحب کی عبارت پر غور فرمالیں تو انتشار سریع، جو روایات میں منقول ہے، اس وقت شروع ہوگیا جس وقت سورج ۱۵ درجے زیر افق آ پہنچا، لکھا ہے:

”کہ اس کے کناروں سے روشنی پھیلنے لگتی ہے یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب سورج افق سے پندرہ درجہ نیچے پہنچ چکا ہوتا ہے“۔

ظاہر بات ہے کہ کناروں سے روشنی کے پھیلنے سے مراد یہ ہے کہ اس سے پہلے روشنی کناروں سے نہیں پھیلی تھی۔ بلکہ اپنی جگہ پر ہی چمک میں اضافہ ہوتا رہا۔اور یہ بات نہایت توجہ کے قابل ہے کہ اعتبار روشنی میں زیادتی کا نہیں بلکہ اپنے مقام سے تجاوز کرتی ہوئی پھیلنے کا ہے۔اور یہ ظاہر ہے کہ کناروں سے پھیلے بغیر انتشار و پھیلاؤ کا عمل کیسے وجود میں آسکتا ہے؟ صبح صادق کے ظہور اور انتشار کے درمیان خاصا وقفہ مندرجہ ذیل عبارت سے بالکل واضح ہے۔سید صاحب ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”صبح صادق کے وقت روشنی کی جو حدود قائم ہوجاتی ہیں وہ تا دیر قائم رہتی ہیں“ (فہم الفلکیات ص ۱۲۱)

اس سے تو بالکل واضح ہوگیا کہ روشنی کافی دیر بعد پھیلنے کا عمل شروع کردیتی ہے۔اور اگر یہ کہا جائے کہ انتشار پہلے ظہور کو مستلزم ہے، لہٰذ ۱۸ پر اس کا ظہور اور ۱۵ پر اس کا انتشار۔جواب اس کا یہ ہے کہ یہی تو بنیادی نکتہ ہے جسکی رو سے اس روشنی (فلکی فلق) پر روایات مذکورہ کے مطابق صبح صادق کی تعریف صادق نہیں آتی۔کیونکہ اسی ظہور ہی کیساتھ فقہاء نے انتشار سریع تحریر فرمایا ہے۔جناب کاکاخیل صاحب کی عبارت ”تا دیر قائم رہتی ہے“ کو انتشار سریع کا مصداق کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ (جاری ہے)

ملفوظاتِ شیخ ﴿حضرت ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتھم﴾ (قسط۔۷)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

تعلق مع اللہ کے لیے بھی مجاھدات ھیں ، رتجگے ھیں ، آہ وزاری ھے ، خاک و خون میں لوٹ پوٹ ھونا ھے :

فرمایا کہ سوات کے ایک بزرگ حضرت اخوند عبدالغفورؒ ہیں جو کہ سیدو باباؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس اُوپر کے علاقے کو "غریزہ" اور نچلے علاقے جن میں چارسدہ، مردان اور پشاور شامل ہیں ان کو "سمہ" کہتے ہیں۔ حضرت .....غریزہ (پہاڑی علاقہ) سے سمہ (ہموار علاقہ) کی طرف آرہے تھے تو سمہ میں گندم کی کٹائی ہو رہی تھی۔ گندم کاٹنے والے کو پشتو میں لوگیر کہتے ہیں۔ تو جب یہ لوگ کام سے تھک جاتے ہیں تو اپنی زبان میں سندرے اور ٹپے (پشتو گیت) گاتے ہیں' تو ایک لوگیر نے سندرہ کا ایک شعر پڑھا:

ے خوب او کڑہ خاورے بہ یوسے
شاہ دے ھغودہ سوک چہ ورتہ شو گیرے کوینہ

وہ شخص تو یہ شعر پڑھتے ہوئے گندم کاٹنے میں لگ گیا اور اس شعر کی وجہ سے سیدو باباؒ پر وجد طاری ہو گیا۔ کلام سے جو حال طاری ہوتا ہے تو ہر اِک رگ پھڑکتی ہے۔ تو انھوں نے کہا کہ " بچیپہ لگ شانتے خوب مِ کولو ھغہ دے ھم را ناپاتے کڑو۔" یعنی تھوڑی سی نیند جو کرتے تھے وہ بھی تم نے ختم کرادی اور پھر اس کے بعد ان بزرگ کو رات کو نیند کرنے کا موقع نہیں ملا۔ جن خطیب صاحب سے ہم نے بچپن میں شعر سنا تھا انھوں نے کہا کہ اس شعر کے دو معنی ہیں ایک معنی یہ ہیں کہ اگر نیند کرو گے تو ساتھ خاک لے کے جاؤ گے بہتری ہوئی اس کی جو جاگا راتوں کو۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ "شاہ" ایک خوبصورت عورت تھی جس کے بارے میں اس نے یہ کہا ہے کہ نیند سے تو یہ خوبصورت عورت نہیں ملے گی، جس نے اس کے لیے رتجگے کیے اسکو ملے گی۔ واقعی تعلق مع اللہ کے لیے بھی مجاہدات ہیں، رتجگے ہیں، آہ وزاری ہے، خاک وخون میں لوٹ پوٹ ہونا ہے۔

ے دل وجگر ہوئے ہیں خوں تب کہیں ملی ہے یہ
مفت میں کیوں کسی کو دوں مے میری مفت کی نہیں

دھریے منطق اور فلسفے کی زبان میں بات کر کے لوگوں کے دِلوں میں شیطانی خیالات ڈالتے ھیں :

فرمایا کہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ (اناٹومی ڈیپارٹمنٹ خیبر میڈیکل کالج) کے ایک ہیڈ ہوا کرتے تھے۔ ایک

زمانے میں وہ پشاور یونیورسٹی کے اساتذہ کے کلب میں رات کو بیٹھا کرتے تھے اس مجلس میں کئی دہریے (Atheist) پروفیسر ہوا کرتے تھے۔ باتوں باتوں میں وہ لوگ اُن کے ذہن میں کوئی ملحدانہ بات ڈال دیتے تھے۔ دن کو وہ آ کر پھر مجھ سے اُس پر بحث کرتے۔ ایک دن مجھے کہنے لگے حاجی صاحب! یہ تمام پیغمبر یعقوبؑ کی اولاد میں گزرے ہیں میں نے کہا ہاں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چچا حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں اور باقی یعقوبؑ کی اولاد میں گزرے ہیں۔ میرا جواب سن کر کہنے لگے بڑے ہوشیار تھے' کیا گُر سیکھ لیا تھا۔ (نعوذ باللہ) نبوت کا دعویٰ کر کے لوگوں کو پھنساتے تھے۔ اپنے آپ کو نبی کہہ کر لوگوں کا استحصال (Exploit) کرتے تھے۔ یہ دہریہ لوگ منطق اور فلسفہ کی زبان میں بات کرتے ہیں (Philosiphical and Logical) اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں اپنے شیطانی خیالات ڈالتے ہیں۔ ہمارے ہیڈ ذہن سے اچھے آدمی تھے وہ بات کو فوراً ماننے کی بجائے اس کے بارے میں پوچھ کر معلومات حاصل کر لیا کرتے تھے۔ بندہ نے ان سے عرض کیا کہ سَر ایک تو دو نبیوں کے درمیان سینکڑوں ہزاروں سالوں کا فاصلہ اور پھر ایک دوسرے سے سینکڑوں ہزاروں میل کی دُوری، رسل ورسائل اور ذرائع ابلاغ کی کمی اس کے باوجود ان کی تعلیمات کا ایک جیسا ہونا اور ان میں فرق نہ ہونا ان کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ان انبیاء علیہم السلام کا جانکاہ مشکلات اور زہرہ گداز تکالیف سے گزر کر اپنے عقیدۂ توحید وآخرت اور نیک اعمال کے لیے کوششیں کرنا اور انسانیت کی اس خدمت کے بدلے میں کوئی معاوضہ طلب نہ کرنا اس دلیل کو اور محکم اور پکا کرتا ہے۔ اور اس کوشش وجدوجہد میں جو نتائج حاصل ہوں اور دُنیا کے وسائل ہاتھ میں آئیں ان کو عوام الناس میں تقسیم کر کے خود فقر وفاقہ اور تنگدستی کی زندگی گزارنا جو اکثر انبیاء علیہم السلام کا طریقہ رہا ہے ان کی حقانیت کے خلاف تمام فلسفیانہ دلائل کو لاجواب کر دیتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں فلک شگاف اعلان کی شکل میں بیان کیا گیا ہے کہ:

وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ج اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o (الشعراء:۱۶۴)

ترجمہ: اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا، بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

قرآن منطق اور فلسفے کی کتاب نہیں اور عام طور پر بڑے سادہ انداز میں ایسے دلائل پیش کرتا ہے کہ بڑے بڑے لوگ دَنگ رہ جاتے ہیں لیکن قرآن کی اس سادگی میں جو منطق اور فلسفہ ہے اس کا جواب کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔

دلائل کے میدان میں حق ہمیشہ سے باطل پر غالب رہا ھے :

فرمایا کہ دلائل کے میدان میں یہ بات ہمیشہ کے لیے ہے یعنی یہ دین ہمیشہ کے لیے تمام ادیان پر دلائل کی دُنیا میں غالب رہے گا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ایک عیسائی پادری ہندوستان کے کسی علاقے میں عیسائیت کا پرچار کررہا تھا۔ کہنے لگا عیسیٰ علیہ السلام (نعوذباللہ) اللہ کا بیٹا ہے۔ایک زمیندار (ہندوستان میں خان وغیرہ کو زمیندار کہتے ہیں) گزررہا تھا۔ کہنے لگا یار! میری شادی کو بارہ سال ہوئے ہیں اور میرے بارہ بیٹے ہیں۔اگر زندہ رہا تو اور بھی ہوں گے،تمھارا کیسا خدا ہے کہ اتنے عرصے میں ایک ہی بچہ پیدا ہوا۔ یہ سن کر پادری لاجواب ہوگیا،اگر چہ بات بیہودہ تھی لیکن باطل کا منہ بند کرنے کے لیے یہ بھی کافی تھی۔

تو باطل کے دلائل کو تو عام آدمی بھی توڑ لیتا ہے۔مجھے یاد ہے کہ میں چھوٹا بچہ تھا، ہمارے گاؤں میں عیسائی مشنری آتے تھے۔ یہ لوگ دُور دراز کے علاقوں میں جاکے اپنا کام کرتے ہیں، پہلے کچھ ڈھول تماشے دکھاتے ہیں اور پھر اپنی بات کرتے ہیں۔ میں بھی دوسرے بچوں کے ساتھ ان کے تماشے دیکھنے کے لیے چلا گیا۔ابھی ہم تماشا دیکھ ہی رہے تھے کہ ہمارے سکول کا چپڑاسی (فقیر حسین کا کا) آگیا۔اُن کو دیکھ کر کہنے لگا کہ ارے یہ لوگ تو مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے آئے ہیں تھوڑی ہی دیر میں اس نے وہ ہنگامہ کھڑا کیا اور ایسے دلائل دئے کہ ان بڑے پادریوں کو لاجوب کردیا اور ان کو بھاگنا پڑا۔ ہمارے گاؤں کے خطیب صاحب نے کہا کہ ان کو ہمارے پاس لانا چاہیئے تھا تاکہ ہم انہیں لاجواب کرتے لوگوں نے بتایا کہ ان کے لئے فقیر حسین کاکا ہی کافی ہوگیا تھا۔

توبہ اور اعمالِ صالحہ : فرمایا کہ توبہ سلوک وتصوف کا پہلا قدم ہے،جس میں انسان اللہ تبارک وتعالیٰ سے دُور کرنے والے اعمال کو ترک کرکے اللہ کا قرب دِلانے والے اعمال اختیار کرتا ہے اور شریعت کے مقرر کردہ اعمال کا تکمیلی درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔تھوڑا بہت حاصل ہوجانے کے بعد اسی پر قناعت کرکے نہیں بیٹھنا چاہیے بلکہ جیسا کہ دُنیا کے بارے میں اکثر لوگوں کا یہی حال ہے کہ جب کوئی مکان تعمیر کرتا ہے تو اس میں دروازے، کھڑکی، روشندان، رنگ وسفیدی، موسم کے لحاظ سے موزونیت، خوبصورتی غرض ہر ہر بات کا مقدور بھر انتظام کرتا ہے،ایسی ہی چاہت اور کوشش دین کے اعمال کے حصول اور پھر ان کو درجۂ کمال تک پہنچانے کے لیے بھی ہونی چاہیے۔اس ابتدائی اور تکمیلی حالت کے درمیان مُرید کو مختلف احوال درپیش ہوتے ہیں۔ جن کے تقاضوں اور حقیقت کو سمجھنے کے لیے شیخ کامل ومشفق کی نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے۔

حال اور مقام : فرمایا کہ ایک چیز ہوتی ہے حال اور ایک چیز ہوتی ہے مقام۔ تصوف میں اصل مقصود

’’مقامات‘‘ کا حصول ہے، مقام کہتے ہیں قلبی اعمال کے حاصل کر لینے کو۔ اگر تو تھوڑی دیر کے لیے کوئی حالت حاصل ہوگئی اور آدمی ذِکر میں منہمک ہوگیا، دُنیا کا خیال جاتا رہا اور ساری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگئی تو اس کو ’’حال‘‘ کہتے ہیں۔ کیونکہ ذرا آدمی اِدھر اُدھر ہوا کوئی نئی بات پیش آئی تو حال والا آدمی پچھلی حالت پر واپس آجاتا ہے۔ اور جب یہی حالت پکی ہوجائے اور ہر وقت اور بلا تکلف حاصل ہوجائے تو اس کو مقام کہتے ہیں۔ مثلاً کسی نے تواضع کے فضائل سنے تو اس پر کچھ دیر کے لیے مکمل تواضع کی حالت طاری ہوگئی تو کہیں گے کہ اس پر تواضع کا حال طاری ہوا، اور اگر یہ بات بار بار کی مشق اور شیخ کی صحبت سے دل میں پکی ہوجائے اور کیا بڑا کیا چھوٹا، کیا امیر کیا غریب، کیا شیخ اور کیا عام آدمی ہر ایک کے ساتھ یہ مُرید تواضع کا برتاؤ کرنے لگے اور اس میں ایسا بے تکلف ہوجائے اور تواضع اختیار کرنے میں ایسی سہولت ہوجائے کہ اب اس کا احساس بھی باقی نہ رہے کہ میں تواضع کر رہا ہوں تو اس کو تواضع کا مقام کہتے ہیں۔ لیکن اس کا فیصلہ کرنا کہ تواضع کا مقام حاصل ہوگیا یا نہیں صرف شیخ کا کام ہے خود مُرید اپنے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کرے۔

فنا اور بقا: فرمایا کہ فنا کہتے ہیں کہ مُرید کے قلب سے گناہ اور معصیت کا اِرادہ ختم ہوجائے۔ اور بقا سے یہ مراد ہے کہ آدمی کا اِرادہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تابع ہوجائے۔ شروع میں آدمی جب ذِکر اذکار میں لگتا ہے اور اس سے جوش وخروش، رِقت اور دل کی نرمی کے حالات طاری ہوتے ہیں تو آدمی کے دل سے دُنیا کا دھیان ہی ختم ہوجاتا ہے۔ معصیت اور نفس کے مزے کا خیال تک نہیں آتا اور طبیعت پر نیکی اور جوش وخروش کا خوب غلبہ ہوتا ہے۔ غیر محقق آدمی اسی کو کمال سمجھتا ہے۔ جبکہ کچھ عرصے کے بعد نفس کے تقاضے لوٹ آتے ہیں۔ نفس پھر اپنے مزوں کی طرف آدمی کو کھینچنے لگتا ہے۔ اور آدمی کا خیال ہوتا ہے کہ شاید میں اپنے مقام سے گر گیا حالانکہ اب زیادہ کمال حاصل ہوا کہ جب نفس میں برائی کا تقاضا ہوا اور اپنے اِرادے سے آدمی اس کو چھوڑ کر نیکی اختیار کرے تو اصل کمال یہ ہے۔ جیسے کہ ہانڈی پکنے کے دوران خوب جوش مارتی ہے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ ابھی پکی نہیں ہے اور مہمانوں کو پیش کرنے کے قابل نہیں ہوئی ہے۔ لیکن جب یہ درمیانی حالت ختم ہوکر پک جاتی ہے اور جوش ٹھنڈا ہوجاتا ہے تو تب کھانے کے اور لطف لینے کے قابل ہوتی ہے۔ اسی طرح فنا کا راستہ طے کر کے جب آدمی بقا کو حاصل کرلے تو تب کمال حاصل ہوتا ہے۔ اس مجاہدے اور اس درمیانی جوش وخروش کے گزر جانے کے بعد اتنا ہوجاتا ہے کہ نفس کے تقاضے کے خلاف کرنا اور اس سے نیکی کروانا آسان ہوجاتے ہیں اور نفس کو ایک صفت حاصل ہوجاتی ہے، جسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

تاریخ کا بے نظیر واقعہ

فتوح البلدان بلاذری میں ہے کہ جب سمرقند فتح ہوا تو وہاں کے لوگوں کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ اصل ترتیب اسلام میں یہ ہے کہ سب سے پہلے اسلامی لشکر کی طرف سے وہاں کے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دی جائے' اگر وہ لوگ دعوتِ اسلام قبول نہ کریں تو انہیں جزیہ کی پیش کش کی جائے' اگر وہ اس پیش کش کو بھی ٹھکرا دیں تو پھر اسلامی لشکر کو کفار کے اس ملک یا شہر پر حملے کی اجازت ہے کہ وہ حملہ کردے۔ تو اہلِ سمرقند کو ایک عرصہ بعد ہوش آیا کہ اسلامی لشکر نے بغیر دعوتِ اسلام دیئے اور جزیہ کی پیش کش کئے سمرقند کو فتح کرلیا ہے' جبکہ مسلمان وہاں بس گئے تھے اور گھر بنا لئے تھے' تو اہلِ سمرقند نے ایک وفد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں روانہ کیا' جنہیں خلفاء راشدین میں شمار کیا جاتا ہے اور خلیفۂ راشد خامس کہا جاتا ہے۔ تو وفد نے ان کی خدمت میں جاکر شکایت کی کہ سمرقند کو اس سُنت اور شرعی حکم پر عمل کئے بغیر مسلمانوں نے فتح کیا ہے' تو انہوں نے سمرقند کے قاضی کے نام ایک خط لکھا کہ یہ خط ملتے ہی فوراً عدالت لگاؤ اور گواہی طلب کرو کہ جس وقت مسلمانوں نے سمرقند کو فتح کیا تو کیا اس سُنت پر عمل کیا گیا تھا کہ نہیں؟ اگر اس سُنت پر عمل کا کوئی ثبوت نہ ملے تو تمام مسلمان فوجیں اسی وقت سمرقند چھوڑ کر اس کی حدود سے باہر جاکر کھڑی ہوجائیں' اس کے بعد اس سُنت پر عمل کریں۔ پہلے اہلِ سمرقند کو اسلام کی دعوت دیں' اگر منظور ہو تو فبہا' ورنہ جزیہ کا کہیں' اسے بھی اگر نہ مانیں تب جہاد کریں۔

قاضی صاحب نے خط ملتے ہی عدالت قائم کی، مدعا علیہ مسلمانوں کی فوج کے کمانڈر ہیں اور دُنیا کی تاریخ میں شاید اس واقعہ کی نظیر نہ ملے کہ ایک کمانڈر جس نے اپنی شمشیر کی نوک سے اتنا اہم علاقہ تُرکستان کا دارالخلافہ فتح کیا تھا' وہ قاضی کے سامنے ایک مدعا علیہ اور ایک معمولی مسلمان کی حیثیت سے حاضر تھا۔ اس سے پوچھا گیا' اس نے اعتراف کیا کہ ہاں مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں یلغار میں اور اسلامی فتوحات کے تسلسل میں اس اہم شرعی حکم پر عمل نہیں کرسکا۔ جب یہ معاملہ ثابت ہوگیا تو قاضی صاحب نے حکم دیا کہ مسلمان سمرقند شہر خالی کردیں' مسلمانوں نے گھر بنا لئے تھے' کھیتیاں جوت لیں تھیں۔ بہت سے لوگوں نے سمرقند کو اپنا شہر بنا لیا تھا تو سب کچھ چھوڑ کر اپنا دامن جھاڑ کر چلے گئے۔ باہر جاکر کھڑے ہوگئے' جب وہاں کے بُت پرستوں اور مشرکوں نے یہ معاملہ دیکھا کہ ان کے دِلوں میں شریعت کا اتنا احترام ہے اور عدل وانصاف کا ان کے دِلوں میں اتنا لحاظ ہے کہ وہ اپنے چیف آف آرمی سٹاف پر بھی اسے نافذ کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اب لڑائی کی ضرورت نہیں' ہم خود مسلمان ہوتے ہیں' چنانچہ سمرقند سارے کا سارا مسلمان ہوگیا۔ (خطباتِ علی میاں ج:۱ص:۲۳۵ سے ظہور الٰہی فاروقی صاحب کا انتخاب)

میری بے بے

(پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی، انجینئرنگ یونیورسٹی، پشاور)

مائیں سبھی پیاری ہوتی ہیں۔ بے بے بھی بہت پیاری تھی اور مائیں پیاری کیوں نہ ہوں، جب وہ اپنی اولاد کو سکھ دینے کے لیے بڑی سے بڑی مشقت جھیلنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہیں۔ ماں کی ممتا ضرب المثل ہے۔ بلکہ محبت کا دوسرا نام ہی ماں کی ممتا ہے۔ ماں کی ممتا اور اولاد کی ماں سے محبت کا کوئی موازنہ نہیں۔ چاند کی روشنی کا ستاروں، سمندر کے پانی کا قطرے اور صحرا کی ریت کے ذرے سے کیا موازنہ۔

ماں کو ہم بے بے کہتے تھے۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا بے بے کو گھر کے کاموں میں مصروف پایا۔ باوجود یہ کہ ایک ملازمہ ہر وقت گھر میں موجود رہتی تھی لیکن بے بے بھی برابر کام میں لگی رہتی۔ خاص طور پر بھینس کا دودھ دوھنا اور کھانا پکانا تو کبھی ملازمہ سے نہ کرتیں۔ کہا کرتی تھی کہ یہ کام ملازموں کے کرنے کے نہیں اس سے گھر کی برکت جاتی رہتی ہے۔ بے بے صبح سویرے اُٹھ کر جب گھر کے اکثر کاموں سے فارغ ہوتی تو تقریباً دس بجے گاؤں کی عورتیں بے بے کے پاس آنا شروع ہوتی۔ چائے پراٹوں کا دور شروع ہوتا اور یوں ایک اچھی خاصی محفل گرم ہوتی۔ اس دوران بے بے گاؤں کی غریب عورتوں کے دُکھ درد بھی سنتی رہتی اور اپنے بس کے مطابق اُن کی مدد بھی کیا کرتی۔ دادا (میرے والد صاحب) کو بے بے کی ان محفلوں سے بڑی چڑ تھی۔ کہتے کہ کیا تم نے الیکشن میں کھڑا ہونا ہے جو ہر وقت یوں محفل سجائی ہوتی ہے۔ لیکن بے بے پر ان باتوں کا کچھ اثر نہ ہوتا۔ جب تک وہ گاؤں میں رہی برابر یہ محفل منعقد ہوتی رہی۔ بے بے کی فیاضی پورے گاؤں میں مشہور تھی۔ رشتہ داروں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو بے بے کا قرضدار نہ رہا ہو۔ میری بچپن کا واقعہ ہے۔ ایک دفعہ ہمارے ایک رشتہ دار قرضہ مانگنے آئے۔ بے بے نے کہا کہ مجھے تو گننا نہیں آتا۔ جاؤ فلانے برتن میں پیسے رکھے ہوئے ہیں خود ہی گن کے لے لو۔ اس طرح سے غرباء میں روٹیاں بانٹنا بے بے کا روزانہ کا معمول تھا۔ بعض خاندانوں کی مستقل ماہانہ مالی مدد بھی کرتی رہتی تھی۔

دادا کا پورا خاندان سخت مزاج واقع ہوا ہے۔ دادا بھی ایسے ہی تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر نوبت لڑائی مار کٹائی تک جا پہنچتی۔ دادا کے اینٹوں کے بھٹے تھے۔ جب بارش ہوتی اور کچی اینٹیں پانی میں بہہ جاتیں تو دادا کو بات بات پر غصہ آنے لگتا۔ ایسے میں سارا نزلہ بے بے پر گرتا۔ بے بے کا آبائی گھر چند قدم کے فاصلے پر تھا لیکن بے بے لڑائی جھگڑے میں کبھی وہاں نہیں گئی۔ سب کچھ خود ہی برداشت کرتی رہتی۔ بعد میں بھی کبھی شکایت نہیں کی۔ لڑائی کے بعد ہم سب بے بے کے گرد بیٹھ کر اُس کو تکتے رہتے۔ کہ تسلی دینے کا طریقہ ہمیں آتا نہیں تھا۔ یہ لڑائی جھگڑے اتنے

تواتر کے ساتھ ہوتے تھے کہ بے بے اسکی عادی ہوگئی تھی۔لیکن میں نے اپنے دل میں پکا ارادکرلیا تھا کہ میں کبھی اینٹوں کا بھٹہ نہیں بناؤں گا۔

ہمارے پڑوس میں دادا کے چچازاد بھائی رستم بابا رہتے تھے جو ایک نہایت پارسا اور متقی انسان تھے۔کشمیر کی جنگ میں عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم مولانا محمد امینؒ کی معیت میں شامل ہوئے۔ ہر وقت اُن کے اشعار زبان پر ہوتے۔اچھی خاصی جائیداد ہونے کے باوجود زندگی عُسرت میں گزاری۔بے بے اُن کا خاص خیال رکھتی۔جب بھی کوئی چیز پکاتی تو سب سے پہلے اُن کو دے آتی اور وہ بے بے کو بہت دعائیں دیتے۔جب بے بے ہمارے ساتھ پشاور منتقل ہوئی تو جب تک رستم بابا زندہ رہے۔ ہر وقت کہتی کہ دیکھو آج آپ لوگوں نے کباب پکائے ہیں۔کباب رستم بابا کو بہت پسند تھے۔اگر ہم گاؤں میں ہوتے تو اُن کو جلدی سے دے آتے۔ پھر مجھے کہتی کہ جب تم گاؤں جاؤ تو ضرور اُن کی خبر گیری کرنا۔

میری پیدائش دو بہنوں کے بعد ہوئی تھی۔پٹھانوں کے معاشرے میں دو بہنوں کے بعد ہونے والے بیٹے کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔بے بے مجھے نئے کپڑے پہنا کر اپنے سامنے بٹھاتی اور کہتی کہ کیا وہ دن بھی آئے گا جب میرا بیٹا سکول جائے گا اور جب میں سکول جانے لگ گیا۔تو پھر اُس کی یہ خواہش مجھے کالج کے سفید کپڑوں میں دیکھنے میں بدل گئی۔میں نے کالج کے سفید کپڑے تو نہیں پہنے کیونکہ میرا داخلہ ایڈورڈز کالج میں ہوگیا۔لیکن جب میں پہلی بار چھٹیاں گزارنے گاؤں چلا گیا۔تو بضد ہوئی کہ میرے سامنے پینٹ شرٹ پہنو کہ اس دن کے لیے میں نے بہت دعائیں کی تھیں۔وقت کے ساتھ ساتھ بے بے کی خواہشات میں ترقی ہوتی رہی۔میری شادی دیکھنے اور پھر بچہ دیکھنے حتیٰ کہ آخر میں میرے بچوں کے بچے دیکھنے کی بھی آرزو رہی۔جو پوری نہ ہوسکی۔میں انجینئرنگ سے فارغ ہوا تو فوراً میری شادی کردی گئی۔جب میرا بیٹا پیدا ہوا تو بے بے کی خوشی دیدنی تھی۔جب میرا بیٹا ایک سال کا ہوا تو بڑے اہتمام سے گھر میں شاندار محفل منعقد کی۔اتنے لوگوں کو بلایا ہوا تھا کہ لگتا تھا کہ اُس کی شادی کر رہی ہے۔میں نے اپنی زندگی میں بے بے کو سب سے زیادہ خوش اس موقع پر ہی پایا۔

وہ بچوں کی طرح کبھی اِدھر جاتی کبھی اُدھر،اور میرے بیٹے کو اُٹھا کر بار بار دیکھتی اور کہتی کہ کیا کوئی اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہوسکتا ہے۔

ہمارے مسجد کے امام مولانا گل خان صاحبؒ فاضل دیوبند تھے۔اور ڈابھیل میں شاہ انور شاہ کشمیریؒ کے مدرسہ میں تیرہ سال مدرس رہے تھے۔ایک اللہ والے انسان تھے۔اُن کو مجھ سے بہت محبت تھی۔اُن کا ایک بیٹا مشتاق میرا ہم عمر تھا۔ مجھے جلدی سبق یاد ہوجاتا اور مشتاق کو سبق یاد نہ ہوتا تھا۔تو اکثر کہا کرتے کہ میں تمھیں مشتاق کے بدلے تمھارے والد

سے لیتا ہوں اوپر سے کچھ پیسے بھی دے دوں گا۔ جب کبھی مجھے کھیلنے میں مہنمک دیکھتے تو قرآن کی آیت ”وما الحیوۃ الدنیا الالھو ولعب“ پڑھتے ہوئے گزرتے۔

دسویں کے بعد جب میں پشاور چلا آیا تو بہت افسردہ تھے۔ مجھ سے پوچھتے تھے کہ تم لکھ پڑھ کر کیا کرو گے، میں کہتا کہ میں ایک دن بڑا افسر بن جاؤں گا پھر پوچھتا کہ اُس کے بعد کیا ہو جائے گا۔ میں خاموش رہتا۔ تو وہ جواب میں کہتے کہ بڑا افسر بننے کے بعد ایک دن تو مر جائے گا اور تیری افسری تیری کچھ کام نہ آئے گی۔ تو میرے ساتھ رہ، دین کا علم سیکھ۔ اُس کی باتیں مجھے بے چین کر لیتی۔ اور جب میں اپنے گاؤں سے پشاور آتا تو اکوڑہ خٹک کے مدرسہ میں بڑی حسرت سے طالب علموں کو دیکھتا کہ کاش میں بھی یہاں ہوتا۔ بے بے، گل خان استادؒ کا بھی بہت خیال کرتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب گل خان استادؒ بہت ضعیف ہو گئے اور اُن کا دماغ بھی بہت کمزور ہو گیا تو اُس نے مستقل طور پر اپنے آبائی گاؤں بچمند (علاقہ گدون) جانے کا فیصلہ کیا۔ جانے سے ایک دن پہلے ہمارے گھر کے دروازے پر دستک دی، بے بے کو بلایا، اور گھر کے باہر سے ہی بے بے کو ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ گل خان اُستادؒ کی ایک بیٹی کا نام وراء تھا۔ بے بے کو کہنے لگے کہ میرے لیے تم میری بیٹی وراء کی طرح ہو، میں نے تمھارا نمک کھایا ہے اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو مجھے معاف کرنا۔ میں نے اُس وقت بے بے کو تو نہیں دیکھا لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ سن کر بے بے کی آنکھوں سے آنسو ضرور ٹپکے ہونگے۔

جب میرے بچے سکول جانے کے قابل ہوئے۔ تو ہم نے پشاور منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ میری نوکری بھی پشاور میں تھی۔ ہم نے دادا بے بے دونوں کو اپنے ساتھ پشاور لانا چاہا، بے بے تو ہماری ہر خواہش پر اپنی تمام خواہشات قربان کر لیتی۔ وہ تو راضی ہو گئی۔ لیکن دادا نہ مانے۔ جب ہم پہلی مرتبہ پشاور کے لیے روانہ ہونے لگے۔ تو بے بے کی حالت قابل رحم تھی۔ میرے بیٹے کی جدائی اُس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ لیکن منہ پر کہتی کہ نہیں آپ لوگ ضرور جائیں ہمارا تو ویسے بھی چل چلاؤ ہے۔

میں ہر ہفتے اُن کی خبر گیری کے لیے گاؤں جاتا۔ بے بے اپنی معذوری کے باوجود میرے لیے ڈھیر سارے کھانے تیار کرتی۔ اور میرا ایسے آؤ بھگت کرتی جیسے کہ میں کوئی بہت دنوں کے بعد آیا ہوں۔ مجھے کالج کے وہ دن یاد آتے جب میں کالج سے گھر جاتا تو ایسا ہی آؤ بھگت کرتی۔ اور واپسی پر بلا ناغہ گندم کی روٹی، دہی، گھی اور گڑ سے بنی ہوئے رول جن کو پشتو میں ”غن ساخی“ کہتے ہیں اور پسے ہوئے چاول اور چینی سے بنے ہوئے چوکور مٹھائی قسم کی چیز جس کو پشتو میں ”درویش“ کہتے ہیں۔ میرے لیے بناتی۔ اور اُس میں بادام، مونگ پھلی، کشمش اور پتہ نہیں کیا کیا چیزیں ڈالتی۔

دادا بے بے کو میرے سب سے چھوٹے بھائی شاہ روم سے بہت محبت تھی۔ شاہ روم اُن دونوں کو پشاور لانے کی کوشش کرتا رہا۔ اور آخر ایک دن دادا بے بے اپنے گاؤں کا گھر چھوڑ کر میرے ساتھ پشاور منتقل ہوگئے۔ معذوری کے باعث بے بے ایک کمرے میں پڑی رہتی۔ کچھ عرصہ تو اُن کو گاؤں کی یاد آتی رہی۔ لیکن جلد ہی بچوں کے ساتھ گھل مل کر گاؤں بھول گئی۔ میرے بڑے بیٹے اور بے بے کی آپس کی محبت مثالی تھی۔ میرے بیٹے نے جب حفظ مکمل کرلیا تو بے بے بہت خوش تھی۔ میرا بیٹا بھی کہتا تھا کہ جب قیامت میں مجھ سے دس بندوں کی شفاعت کا کہا جائے گا تو میں سب سے پہلے بے بے کا نام لوں گا۔ یہ سن کر بے بے کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھتا۔

وقت گزرنے کے ساتھ بے بے کو مختلف بیماریوں نے آلیا۔ سب سے پہلے ٹانگوں میں درد شروع ہوا۔ ٹانگوں کا درد اور موٹاپا بے بے کی خاندانی بیماریاں تھی۔ بے بے کو بھی یہ بیماریاں لگی، یہاں تک کہ پھر چلنے پھیرنے سے مکمل معذور ہوگئی۔ اور آخری ۱۲ سال چارپائی پر ہی گزارے۔ لیکن کبھی منہ سے ناشکری کا کوئی کلمہ سننے میں نہیں آیا۔ ہر وقت شکر ہی کرتی تھی۔ بے بے لکھی پڑھی نہ تھی۔ لیکن قرآن مجید، پنج سورہ اور دعاؤں کی کچھ کتابیں ہر وقت اُس کے سرہانے پڑی رہتی۔ بے بے قرآن اٹک اٹک کر پڑھتی۔ بعض دفعہ ایک لفظ چار پانچ مرتبہ پڑھتی۔ قرآن پڑھنے کا اُن کا ایک خاص انداز تھا۔ جس کو سن کر ہم بھائی بہن بہت بہت محظوظ ہوتے۔ اُستانی کے لیے بہت دعائیں کرتیں۔ کہتی کہ یہ اُس کا احسان ہے کہ جیسے تیسے قرآن پڑھ لیتی ہوں۔

بے بے کی بیماریاں بڑھتی گئیں۔ شوگر، بلڈ پریشر کے ساتھ پھپھڑوں میں پانی کی بیماری ہوئی اور پھر دل بھی متاثر ہوا۔ کچھ عرصہ سے مجھے کہتی کہ بیٹا میری ساری خواہشیں تو پوری ہوگئی ہیں لیکن اللہ کا گھر اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے کی تمنا پوری ہوتی نظر نہیں آرہی۔ پچھلے سال جب میں نے بے بے کو بتایا کہ میں اُس کی جگہ حج بدل کے لیے جارہا ہوں تو اُس کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آئے اور بہت ساری دعائیں دیں۔ جب میں حج سے واپس آیا تو میرے لائے ہوئے جائے نمازوں اور کھجور کے علاوہ تقریباً ۲۰ ہزار روپے کے اور جائے نمازیں وغیرہ خرید کر لوگوں میں بانٹیں۔ بے بے کی وفات سے ایک مہینہ پہلے میرے دو بچوں نے قرآن ختم کیا تو گاؤں سے سارے رشتہ داروں کو بلایا شاید یہ آخری ملاقات کا ایک بہانہ تھا۔

۲۸ اگست ۲۰۰۸ کو میں کسی کام سے کشمیر گیا۔ ۳۰ اگست کو واپسی ہوئی۔ آتے ہی میں بے بے کو دیکھنے چلا گیا تو بے بے سو رہی تھی۔ اگلے دن میری اہلیہ نے مجھے کہا کہ بے بے بلا رہی ہیں مجھے کپڑے تبدیل کرنے میں کچھ وقت لگ گیا۔ جا کر دیکھا تو رو رہی ہیں۔ بیٹا تم نے کیوں اتنی دیر لگادی۔ آج تو مجھے بہت تکلیف ہے۔ سانس کی تکلیف کی وجہ سے کافی بے چین دکھائی دے رہی تھی۔ گھر میں بے بے کے لیے تمام ضروری مشینیں رکھی ہوئی تھی۔ گھر میں آکسیجن

کا سلنڈر بھی پڑا رہتا۔ میں نے پوچھا کہ کیا سانس والی مشین لگائی تھی۔ بے بے نے کہا کہ سب کچھ کیا ہے۔ لیکن سانس ٹھیک نہیں ہو رہی۔ میں نے اپنے عزیز دوست ڈاکٹر سفیر کو ٹیلی فون کیا وہ فوراً پہنچے۔ بے بے کو دوائیں لکھیں اور تسلی دی کہ انشاءاللہ جلد ہی سانس کی تکلیف رفع ہو جائے گی۔ ڈاکٹر سفیر ایک عرصہ سے بے بے کا علاج کرتے رہے اور بے بے اُس کو بہت دعائیں دیتی رہتی تھی۔ میرا ایک چھوٹا بھائی اسحاق بھی ڈاکٹر ہے۔ جو آج کل امریکہ میں مقیم ہیں وہ بھی تقریباً روزانہ ٹیلی فون کرتے رہتے۔ ایک دن بے بے نے بے ساختہ کہا کہ میرا اپنا بیٹا تو امریکہ میں پرائے لوگوں کا علاج کر رہا ہے اور یہاں دوسرے لوگوں کے بیٹے میرا علاج کر رہے ہیں۔ کیا اس دن کے لیے ہم نے اتنی دعائیں مانگی تھی۔ میں سمجھاتا رہا کہ نہیں وہ تو اپنی سپیشلائزیشن کر کے واپس آجائے گا۔ کہتی کہ جب وہ آئے گا تو پھر ہم نہیں ہونگے۔ خیر ڈاکٹر سفیر کی دوائیاں فوراً منگوائی گئی۔ ایک دن اور گزر گیا۔ اگلے دن پہلا روزہ تھا۔ رات کو مجھے کہنے لگی کہ کیا میں روزہ رکھ لوں تو میں نے کہ کہا کہ تم کیسے روزہ رکھوگی۔ تمھاری حالت روزہ رکھنے کی نہیں۔ پھر مجھے کہا کہ اچھا مجھے دم کرو۔ بے بے کو ہر وقت یہ فکر رہتی کہ مجھے تو پاکی ناپاکی کا پتہ نہیں چلتا۔ کیا میری نمازیں قبول ہو جائیں گی۔ اُس رات بار بار کہہ رہی تھی کہ بیٹا میں موت سے نہیں ڈرتی۔ سب لوگوں نے ایک دن یہاں سے کوچ کر جانا ہے لیکن میں نے تو ۱۲ سال بیٹھ کر نمازیں پڑھی ہیں کیا اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے گا۔

بدھ کے دن جب میں مغرب کی نماز سے واپس آیا تو بے بے نے مجھے بلایا کہ بیٹا میری حالت ٹھیک نہیں۔ تم کھانا ادھر میرے کمرے میں ہی کھالو۔ ہم سب عام طور پر کھانا بے بے کے کمرہ میں ہی کھاتے لیکن رمضان کی وجہ سے آج دوسرا دن تھا کہ ہم کھانا دوسرے کمرے میں کھاتے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد بے بے نے مجھے کہا کہ بیٹا ڈاکٹر سفیر کو بلالو۔ میری سانس ٹھیک نہیں ہو رہی۔ میں نے ڈاکٹر سفیر کو فون کیا وہ جلد ہی پہنچ گئے۔ اور فوراً ایک نرس کا انتظام کر کے بے بے کو ڈرپ چڑھائی۔ وہ پوری رات ہم نے بے بے کے ساتھ جاگ کر گزاری۔ ڈاکٹر سفیر اور میرے خالہ زاد بھائی ڈاکٹر خالد بھی ہمارے ساتھ ہی تھے۔ آدھی رات کو میرے چھوٹے بھائی شاہ روم بھی مانسہرہ سے پہنچ گئے۔ ڈاکٹر سفیر اور ڈاکٹر خالد کو ہم نے آرام کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اور ہم بے بے کے ساتھ رہے۔ شاہ روم کو دیکھتے ہی بے بے نے رونا شروع کیا۔ اُس نے بے بے کے ہاتھ پیر دبانا شروع کئے۔ میرا بھی جی چاہا کہ میں بھی کچھ خدمت کروں۔ لیکن بے بے نے کبھی بھی مجھ سے یہ خدمت نہ لی۔ بے بے کا میرے ساتھ برتاؤ ایسا تھا جیسا کہ میں گھر کا کوئی بزرگ ہوں کہتی تھی کہ میں اس لیے اس کو اپنے پاس بیٹھنے کو نہیں کہتی کہ میری چارپائی اور کپڑوں کی پاکی کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ یہ نماز پڑھتا ہے کہیں اس کے کپڑے ناپاک نہ ہو جائیں۔

سحری سے تھوڑی دیر پہلے بے بے کی حالت قدرے بہتر ہوئی۔ اور صبح تک اتنی بہتر ہوئی کہ دو دن سے

جوسوئی نہ تھی۔ تو اُس وقت تھوڑی سوگئی۔ یہ جمعرات کا دن تھا۔ میں یونیورسٹی چلا گیا۔ دوپہر کو جب میں واپس آیا تو بے بے کو تھوڑا آرام تھا۔ میں بھی ظہر کو کچھ دیر لیٹا۔ عصر کے وقت اہلیہ نے اُٹھایا کہ بے بے کی حالت ٹھیک نہیں۔ جیسے ہی میں کمرے کے اندر داخل ہوا۔ تو بے بے کی آنکھوں کی حالت متغیر تھی۔ اور بہت بے چینی کی حالت میں مجھے دیکھ کر کہنے لگی۔ کہ بیٹا میں کیا کروں میں تو بالکل ٹھیک نہیں ہو رہی۔ اور اُن کا یہ جملہ میرے دل پر ہتھوڑے کی طرح برسا۔ میں نے فوراً پھر ڈاکٹر سفیر کو بلایا۔ اُس نے مزید انجکشن اور ڈرپ لگا دیے۔ عشاء کے بعد حالت مزید بگڑ گئی۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود آخر دم تک پورے ہوش میں رہی۔ کچھ دیر بعد کہنے لگی کہ کیا ڈاکٹر سفیر ادھر ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ کہا اُس کو کہہ دو کچھ دیر کے لیے باہر چلا جائے۔ ڈاکٹر سفیر باہر چلا گیا تو میری اہلیہ کا نام لے کر کہا کہ اُس نے میری بہت خدمت کی ہے اُس کی بہت قدر کرنا۔ پھر کہا اُس کو بلا لو۔ اُس کو بلایا تو اُس کو دیکھ کر کہنے لگی کہ بیٹی تم نے میری سگی بیٹیوں سے زیادہ خدمت کی ہے۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی تو معاف کر دو۔ پھر کہنے لگی کہ میرے پاس کچھ روپے ہیں۔ میرے مرنے کے بعد وہ میری چھوٹی بیٹی کو دے دینا۔ مرنے کے بعد ہم نے دیکھا تو وہ کل ۱۵۰۰ روپے تھے اور یہی اُس کا کل اثاثہ تھا۔ بے بے نے اپنے زیورات چند سال پہلے دینی مدارس میں پڑھنے والے طلبا کو چندہ میں دے دیے تھے۔

رات بارہ بجے تک حالت بہت بگڑ گئی۔ بار بار کہتی کہ مجھے بٹھاؤ لیکن بیٹھ نہیں سکتی تھی۔ تقریباً ایک بجے تک یہ حالت رہی۔ اس دوران کبھی کبھار کچھ بات بھی کر دیتی۔ ایک بجے آخری بار کہا کہ مجھے بٹھا دیں۔ ہم نے کوشش کی لیکن نہ بیٹھ سکی۔ دس منٹ بعد یعنی ۱:۱۰ پر حالت نزع شروع ہوئی۔ اور چہرے سے کرب و تکلیف کے تمام آثار فوراً غائب ہو گئے۔ چند لمبی سانسیں لیں۔ اور تقریباً ۱۰ منٹ سے کم وقت حالت نزع میں رہ کر اس دار فانی سے کوچ کر گئی۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون. یہ جمعے کا مبارک دن تھا۔ جب بھی کسی کی جمعے کو وفات ہوتی تو بے بے بڑی حسرت سے کہتی کہ کاش مجھے بھی اللہ تعالیٰ جمعے کا دن نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی آخری خواہش پوری کر لی۔ وفات کے ایک دن بعد میرے ایک دوست نے مجھ سے تذکرہ کیا کہ میری اہلیہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ عورت جس کا کل آپ لوگوں نے جنازہ پڑھا تھا۔ اُس کی میت مسجد نبوی میں پڑی ہے اور ایک مولانا صاحب سرہانے کھڑے کچھ فرما رہے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد بے بے کی روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دینے کی خواہش پوری کر لی ہو۔

بے بے کی کل آٹھ بچے ہوئے۔ پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں۔ بے بے نے سب کی شادیاں دیکھی۔ اور

ماسوائے ایک بیٹے کے سب بیٹے بیٹیوں کی اولادیں بھی دیکھی۔

بیٹوں میں سب سے بڑا میں تھا۔ مجھ سے چھوٹا اشفاق کینڈا میں ہے، اُس سے چھوٹا اسحاق ڈاکٹر ہے جو امریکہ میں ہے اور اُس سے چھوٹا ہمایوں ہے جس نے CSS کیا ہے۔ اور آج کل آسٹریلیا میں ہے اور سب سے چھوٹا شاہ روم ہے جو انگلینڈ میں ہے۔ بیٹوں میں سب سے زیادہ بدنی خدمت ہمایوں نے کی۔ ہمایوں جب تک پاکستان میں رہا۔ بلاناغہ بے بے کے ساتھ کھانا کھاتا۔ اُس کے پیر دباتا۔ اور بے بے کے مقابلے میں کسی کی نہ سنتا۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ وہ بیٹا جس نے سب سے زیادہ بدنی خدمت کی۔ آخری خدمت کے وقت موجود نہ تھا۔ آخر میں شاہ روم نے بہت خدمت کی۔ اشفاق اور اسحاق بھی دل کھول کر بے بے کے علاج معالجے کے لیے پیسے بھجواتے رہے۔ اور یوں خوب مالی خدمت کی۔ اور میں اپنی نام نہاد دین داری اور مصروفیات کی وجہ سے ایسی خدمت نہ کرسکا جیسا کہ بے بے کا حق تھا۔ لیکن کم از کم یہ تسلی ہے کہ بے بے مجھ سے خوش ہو کے گئی ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

موت کی آغوش میں جب تھک کے سو جاتی ہے ماں
تب کہیں جا کر کے تھوڑا سا سکوں پاتی ہے ماں
روح کے رشتوں کی یہ گہرائیاں تو دیکھئے
چوٹ لگتی ہے ہمیں اور چلاتی ہے ماں
مانگتی ہے کچھ نہیں اللہ سے اپنے لئے
اپنے بچوں کے لئے دامن کو پھیلاتی ہے ماں
پیار کہتے ہیں کسے اور مامتا کیا چیز ہے
کوئی اُن بچوں سے پوچھے جن کی گزر جاتی ہے ماں
چاہے ہم خوشیوں میں ماں کو بھول جائیں دوستو!
جب مصیبت سر پہ آتی ہے تو یاد آتی ہے ماں

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ فرماتے ہیں:

جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خوابِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

بیٹوں میں سب سے بڑا میں تھا۔ مجھ سے چھوٹا اشفاق کینڈا میں ہے، اُس ے چھوٹا اسحاق ڈاکٹر ہے جو امریکہ میں ہے اور اُس سے چھوٹا ہمایوں ہے جس نے CSS کیا ہے۔ اور آج کل آسٹریلیا میں ہے اور سب سے چھوٹا شاہ روم ہے جو انگلینڈ میں ہے۔ بیٹوں میں سب سے زیادہ بدنی خدمت ہمایوں نے کی۔ ہمایوں جب تک پاکستان میں رہا۔ بلا ناغہ بے بے کے ساتھ کھانا کھاتا۔ اُس کے پیر دباتا۔ اور بے بے کے مقابلے میں کسی کی نہ سنتا۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ وہ بیٹا جس نے سب سے زیادہ بدنی خدمت کی۔ آخری خدمت کے وقت موجود نہ تھا نہ آیا۔ آخر میں شاہ روم نے بہت خدمت کی۔ اشفاق اور اسحاق نے بھی دل کھول کر بے بے کی علاج معالجے کے لیے پیسے بھجواتے رہے۔ اور یوں خوب مالی خدمت کی۔ اور میں اپنی نام نہاد دین داری اور مصروفیات کی وجہ سے ایسی خدمت نہ کر سکا جیسا کہ بے بے کا حق تھا۔ لیکن کم ازکم یہ تسلی ہے کہ بے بے مجھ سے خوش ہو کے گئی ہیں۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

موت کی آغوش میں جب تھک کے سو جاتی ہے ماں
تب کہیں جا کر کے تھوڑا سا سکوں پاتی ہے ماں
روح کے رشتوں کی یہ گہرائیاں تو دیکھئے
چوٹ لگتی ہے ہمیں اور چلاتی ہے ماں
مانگتی ہے کچھ نہیں اللہ سے اپنے لئے
اپنے بچوں کے لئے دامن کو پھیلاتی ہے ماں
پیار کہتے ہیں کسے اور مامتا کیا چیز ہے

کوئی اُن بچوں سے پوچھے جن کی گزر جاتی ہے ماں

چاہے ہم خوشیوں میں ماں کو بھول جائیں دوستو!

جب مصیبت سر پہ آتی ہے تو یاد آتی ہے ماں

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ فرماتے ہیں:

جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّمَا الْمُؤْ مِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ

وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا۔

(سورہ الانفال۔۲)

ترجمہ: ایمان والے وہی ہیں کہ جب نام آئے اللہ کا تو ڈر جائیں اُن کے دل اور جب پڑھا جائے ان پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے اُن کا ایمان۔

ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَ قُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ط

(سورہ الزمر۔۲۳) ترجمہ: پھر نرم ہوتی ہیں اُن کی کھالیں اور اُن کے دل اللہ کی یاد پر۔

نام ان کا اور جاں کے ساز پر ہر رگِ جان سازِ الا اللہ ہے

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا ذکر میں تاثیر دورِ جام ہے

(حضرت سید سلیمان ندویؒ)

ایسا بیدار ذکر جو قلب قالب، بال کھال، سوچ خیال، روح دماغ پر چھا جائے اور آدمی کو دائمی یہ احساس دلا

دے کہ اللہ حاضر ہے، مجھے دیکھ رہا ہے، میرے ساتھ ہے۔ یہ چیز اہل تصوف کی تربیت کا خاصہ ہے۔ اس کی پوری ترتیب ہے۔ اس کو سیکھنا پڑتا ہے اور ایک عرصہ تک جم کر مجاہدہ کر کے اس کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُو لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنَ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُو لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنَ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام۔